اداریہ

دبستانِ مذاہب کا اُردو ترجمہ

دبستانِ مذاہب فارسی ادب کی معروف کتاب ہے، جو سترھویں صدی کے ہندوستان میں لکھی گئی، جس میں فاضل مولف نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ متعدد مذاہب کی تعلیمات، ان کی روحانی اقدار اور مذہبی تجربوں کو بیان کرتے وقت اس کا قلم تعصب، تنگ نظری اور جانب داری سے دور رہے۔ مصنف کو اس بات کا احساس ہے کہ ''تاریخ مذاہب پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً (عبدالکریم شہرستانی کی) کتاب الملل والنحل اور (سیّد مرتضٰی رازی کی) تبصرۃ العوام، وہ جانب داری سے خالی نہیں ہیں، جس کی وجہ سے حقیقتِ دین نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے (مصنف کتاب) احباب کی خواہش پر یہ کتاب لکھی ہے اور ہر مذہبی گروہ کے عقائد اس کی اپنی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے ہی ہر مذہب کی (روحانی) شخصیتوں کے بارے میں وہی کچھ لکھا ہے جسے اس مذہب کے ماننے والے صحیح جانتے ہیں۔ اس کتاب میں ترجمانی کے سوا مصنف کا اپنا کوئی کردار نہیں۔ مصنف کی یہ آرزو ہے کہ دنیا میں جہاں انسانی ہستی کے لیے بقا نہیں، اس کا ایک نقش باقی رہے۔''(۱) بے شبہ مصنف کی تمنا بڑی حد تک پوری ہوئی اور اس کا نقشِ قلم ابھی تک باقی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مصنف کا یہی حقیقت شناس قلم دو ایک مقامات پر مہمل باتوں میں بھی الجھ کر رہ گیا ہے۔(۲)

اس کتاب کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصنف نے نہ صرف ہر مذہب کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا بلکہ اس نے ان شخصیتوں اور عارفوں سے بھی ملاقاتیں کیں جو اپنے مذہب کی چلتی پھرتی زندہ تصویریں تھیں۔ چنانچہ جہاں مصنف نے لاہور، گجرات، سورت، حیدر آباد، پنڈی، کشمیر اور دوسرے مقامات پر ہندو عارفوں سے ملاقاتیں کیں، وہاں وہ

برصغیر کے مسلم اہل نظر سے بھی ملتے رہے۔ اکبری دربار میں مذہبی اور غیر مذہبی مکالمات اور ایسے ہی رعایا کے مختلف مذہبی گروہوں میں مکمل امن و آشتی اور مذہبی رواداری سے متعلق سرکاری سطح پر کی گئی کوششوں کی جو تفصیل دبستان میں دی گئی ہے، اس سے مصنف کی وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔[۳] اس روحانی سفر میں مصنف روشنی تحریک کے رہنماؤں سے بھی ملے۔ الغرض آج، ۱۷ویں صدی کے ہندوستان کی مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں اور روشنی تحریک پر دبستان کو بھی ایک مستند حوالے کی حیثیت حاصل ہے۔

دبستان میں مذکور واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو کئی سال میں مکمل کیا۔ تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ ۱۰۵۵ ہجری سے شروع ہو کر ۱۰۶۳ھ کے بعد تک جاری رہا۔ اس کتاب میں داراشکوہ کا بھی ذکر آیا ہے جب اس کا ستارہ بلندی پر تھا،[۴] اس لیے یہ تصنیف اس کی موت سے پہلے مکمل ہو گئی ہوگی۔ داراشکوہ نے ۱۰۶۹ھ میں دار و رسن کو آزمائش میں ڈالا۔ اس لیے اس کتاب کی تکمیل ۱۰۶۳ھ اور ۱۰۶۹ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔[۵] دبستان کے انگریزی مترجم کی رائے میں دبستان کا مصنف جہانگیر کے دورِ حکومت میں ۱۶۱۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اور ۱۶۲۷ء اور ۱۶۴۳ء تک کشمیر اور لاہور کی سیاست کرتا رہا اور ۱۶۷۰ء میں اورنگ زیب کے عہد میں وفات پائی۔[۶]

اس کتاب میں مندرجہ ذیل مذاہب کا ذکر آیا ہے: پارسی عقاید، ہندو دھرم، یہودیت، نصرانیت، اسلام، فلسفی اور صوفیائے کرام۔

دبستان مذاہب کئی بار کلکتہ (۱۲۲۱ھ)، بمبئی (۱۲۶۱ھ)، لکھنؤ (نول کشور، ۱۲۹۴ھ/۱۸۸۱ء) اور طہران (۱۲۶۰ھ) سے شائع ہو چکی ہے۔ ۱۸۴۳ء میں پیرس سے اس کا انگریزی ترجمہ D.Shea اور A.Troyer کے قلم سے شائع ہوا، لیکن بہ قول چارلس رو (Charles Rieu) ''اس ترجمے کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''[۷] اس کا اُردو ترجمہ ۱۸۹۶ء میں لاہور سے پنڈت شردھا رام پھلوری (جالندھر) کے قلم سے شائع ہوا۔ ۱۳۴۲ (شمسی) میں رحیم رضا زادہ ملک نے تنقید و تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دبستان کا نیا

ایڈیشن طہران سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

دبستانِ مذاہب کا مصنف:

ادھر ایک مدت تک اہلِ علم خاص طور پر بعض مستشرقین محسن فانی کو دبستان کا مصنف قرار دیتے رہے، حالانکہ فارسی زبان کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے بھی (مثلاً پچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا میں اور قدرت اللہ گوپاموی نے نتائج الانکار میں) محسن فانی کے سوانح میں دبستانِ مذاہب کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ سراج الدین آرزو نے اپنے تذکرہ میں موبد شاہ یا ملا موبد کو دبستان کا مصنف قرار دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دبستان میں مسلمانوں کے بارے میں دو ایک باتیں ایسی لکھی گئی ہیں، جنہیں کوئی مسلم مصنف نہیں لکھ سکتا۔ خاص طور پر محسن فانی جو برصغیر کے نامور صوفی مفکر شیخ محبّ اللہ اللہ آبادی سے بیعت تھے۔ محسن فانی شاہ جہاں کے عہد میں الہ آباد کے صدر (جج) تھے، لیکن بعد میں انہیں اپنا منصب چھوڑنا پڑا۔ ہوا یوں، جب شاہ جہاں نے والیٔ بلخ نذر محمد خان کی بغاوت کو کچل کر اس کے مال و متاع پر قبضہ کیا، تو نذر محمد خان کی ایک لائبریری بھی شاہجہاں کے تصرف میں آئی۔ جس میں محسن فانی کا ایک دیوان بھی تھا، جس میں ایک قصیدہ والیٔ بلخ (نذر محمد خان) کی مدح میں تھا، جسے شاہ جہاں نے ناپسند کیا اور محسن فانی کو ان کے عہدے سے سبک دوش کر دیا۔ البتہ شاہجہاں نے بلند ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ محسن فانی واپس اپنے وطن کشمیر چلے گئے اور بقیہ زندگی یاد خدا اور درس و تدریس میں صرف کر دی۔ ان کا گھر مرجع خلائق تھا۔ آج اہلِ علم کا اس بات پر 'اجماع' ہو چکا ہے کہ محسن فانی دبستانِ مذاہب کے مولف نہیں۔

پروفیسر غلام مصطفیٰ نے اپنے اُردو مقدمہ دبستان میں شاہ نواز خان کی مآثر الامراء کے حوالے سے میر ذوالفقار اردستانی یا حسینی کو دبستانِ مذاہب کا مصنف قرار دیا ہے، جس کی تربیت بہ قول پروفیسر موصوف پٹنہ کے روحانی رہنما آذر کیوان (زردشتی) کی نگرانی میں ہوئی۔ بعد میں میر ذوالفقار حسینی مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ کہ میر ذوالفقار الحسینی، دبستان کے

مصنف ہیں، محلِ نظر ہے، کیوں کہ دبستان کے مصنف نے اپنے آپ کو ایرانی النسل بتایا ہے۔ جب کہ میر ذوالفقار حسینی عربی نژاد ہیں۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ دبستانِ مذاہب کے مصنف نے اپنی وسعتِ معلومات، وسیع المشربی اور صلح کل کے باوجود دبستان کے بعض مقامات پر اہلِ فلسفہ کے حوالے سے حضرت موسیٰؑ، حضرت مسیحؑ اور آنحضرتﷺ کا رشتہ مظاہر فطرت کی پرستش سے جوڑا ہے۔(۸) اگر مصنف مسلمان ہوتا تو وہ حکماء کے اس بیان پر نوٹ ضرور لکھتا یا اس بیان کو نقل کرنے سے اجتناب کرتا کیوں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے اسی مذہب کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ ایسے ہی شیعہ سنی مناظروں میں عموماً جو سوقیانہ اندازِ بیان اختیار کیا جاتا ہے، اسے بھی کوئی سنجیدہ مصنف، مسلم ہو یا غیر مسلم، من وعن نقل کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ لیکن دبستان میں 'شیعہ سنی' مناظروں کے ذکر میں بعض مقامات پر جو رکیک زبان بولی گئی ہے، مصنف نے اسے من وعن نقل کر دیا ہے۔ اگر میر ذوالفقار الحسینی اس کتاب کے مصنف ہوتے تو وہ حضرت علیؓ کے متعلق مقامِ ادب سے گری ہوئی باتوں کا ذکر نہ کرتے۔(۹) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مصنف نے جس والہانہ انداز میں آذر کیوان کی معنوی اور روحانی زندگی کے حیرت ناک واقعات بیان کیے ہیں، ان پر عالمِ اسباب کے قیدی شاید اپنی حیرت کا اظہار کریں۔ لیکن ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ کس مذہب کا پیرو ہے! بے شبہ اس نے کھل کر دبستان میں اپنے نام، خاندان، وطن کا ذکر نہیں کیا، لیکن اپنے بچپن کے حالات میں جن ہندو یا زرتشتی جوگیوں اور عارفوں سے اشیرباد یا دُعائیں (Blessings) لی ہیں، ان کا ذکر اس نے نہایت ہی اختصار سے 'نامہ نگار'، 'راقم' یا 'نویسندۂ اوراق' اور دوسرے ناموں سے کیا ہے، جس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دبستانِ مذاہب کا مصنف اسلام کا نہیں، زرتشتی مذہب کا پیرو ہے۔

رحیم رضا زادۂ ملک نے دبستانِ مذاہب کی دوسری جلد میں بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ دبستان کا مصنف کون ہے؟ فاضل ایڈیٹر نے محسن فانی اور میر ذوالفقار حسینی کی بجائے کیخسرو اسفندیار کو کتاب کا مصنف قرار دیا ہے اور دلائل سے بتایا ہے کہ کیخسرو

اسفندیار ایرانی النسل ہے اور پٹنہ میں مقیم آذر کیوان کا بیٹا ہے۔ جس کی تعلیم وتربیت اپنے والد کی نگرانی میں زردتشی روایات کے مطابق ہوئی ہے۔[10] رحیم رضا زادہ ملک نے دبستانِ مذاہب کے اسلوبِ بیان کو ہندوستانی فارسی کا نام دیا ہے۔ اگر میر ذوالفقار علی حسینی اصفہانی مولف ہوتے تو دبستان کا اسلوبِ بیان ہندوستانی کی بجائے ایرانی ہوتا۔[11]

دبستانِ مذاہب کا اُردو ترجمہ:

اِدھر کئی سال پہلے پاکستان کے نامور ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل نے خاکسار سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی طرف سے دبستانِ مذاہب کا اُردو ترجمہ شائع ہونا چاہیے۔ دبستان کے مصنف نے اچھوتے انداز میں تمام مذاہب کی روحانی اور اخلاقی قدروں پر لکھا ہے جن کا سراغ مصنف نے نہ صرف کتابوں سے بلکہ زندہ روحانی شخصیتوں سے مل کر پایا ہے۔ یہ کتاب قارئین کے سامنے جو سیاسی اور صحافتی 'فضا' میں جی رہے ہیں، خدا سرشاری، انسان دوستی اور فکر ونظر کا ایک نیا دریچہ کھول دے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے بات کو ختم کرتے ہوئے دبستان کا انگریزی ترجمہ بھی میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ چنانچہ خاکسار نے ۱۹۹۶ء میں خدا بخش پٹنہ لائبریری (بھارت) کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے نام ایک خط میں لکھا کہ اگر وہ دبستان مذاہب کا اُردو ترجمہ فراہم کرسکیں تو ہمیں اسے شائع کر کے مسرت ہوگی۔ بعد میں ہمیں خدا بخش لائبریری کے چیف لائبریرین کی طرف سے دبستان کے اُردو ترجمہ کی ایک کاپی مل گئی۔ خاکسار نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو پھر لکھا کہ اس ترجمہ سے یہ پتہ نہیں چلا کہ مترجم کون ہے؟ لیکن ہمیں اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ یہ ترجمہ تسلی بخش نہیں تھا۔ اس میں طباعت کی بہت سی غلطیاں تھیں۔ شروع میں مقدمہ نویس نے اپنے مقدمہ میں تفصیل سے بتایا ہے کہ دبستانِ مذاہب کا مصنف میر ذوالفقار اردستانی ہے، محسن فانی نہیں۔ اُنہوں نے جن حوالوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ بھی مکمل نہیں تھے، مثلاً مستشرقین کے حوالوں کا ذکر تو تھا، لیکن انگریزی عبارتیں غائب تھیں۔ کتاب میں قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ کریمہ اور احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ لیکن ترجمے میں کسی ایک آیتِ کریمہ یا حدیث رسولؐ کی تخریج نہیں کی گئی۔ (یعنی کس

سورۃ میں یہ آیتِ کریمہ آئی ہے یا حدیث کا ماخذ کیا ہے؟) مقدمہ نویس کا نام بھی نہیں دیا گیا۔ لیکن اعظم گڑھ (.U.P) کے معروف ماہوار پرچے 'معارف' مارچ ۱۹۶۳ء سے پتہ چلا کہ یہ مقدمہ پروفیسر حافظ غلام مرتضیٰ کے قلم سے ہے۔ اُنہوں نے یہ مقالہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک سیمینار میں پڑھا تھا۔ کچھ تعجب نہیں کہ دبستان کا یہ ترجمہ بھی اُنہی کے قلم سے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم نے دبستان کا ترجمہ لکھنؤ یا بمبئی میں شائع شدہ دبستان کے پرانے فارسی نسخوں سے کیا ہے، جو اغلاط سے خالی نہیں تھے۔ جب ترجمہ کو کتابت کے لیے دیا گیا تو اُردو کاتب نے اپنے ''جوہر'' دِکھائے۔ القصہ ترجمہ مکمل نظرِ ثانی کے بغیر ہی شائع کر دیا گیا۔ خدا بخش لائبریری ایک سنجیدہ علمی ادارہ ہے، اس لیے اس نے اس ناقص ترجمے کی سرکولیشن روک کر صحیح قدم اُٹھایا۔

موجودہ ترجمہ کی بنیاد یہی ترجمہ ہے لیکن ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے طہران میں شائع شدہ نسخے سے ان غلطیوں کی مقدور بھر اصلاح کر دی ہے۔ نیز ہم نے بہ توفیقِ الٰہی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ پاک کی تخریج بھی کر دی ہے۔ بعض حدیثیں احادیث کے مستند مجموعوں میں نہیں ملیں، البتہ وہ تصوف کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ الھجویری کی کشف المحجوب، شیخ ابن عباد الرندی کی الرسائل الصغری، محمد بن علی الحکیم الترمذی کی ختم الاولیاء اور ابن خلدون کی شفاء للسائل۔ بعض مقامات پر حاشیہ میں تشریحی نوٹس بھی دیئے گئے ہیں۔

مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ تصنیف و ترجمہ کے جدید تقاضوں کو پورا کیا جائے، تاکہ کتاب سے استفادہ کرنے میں آسانی رہے۔ آخر میں ہم ڈاکٹر عابد رضا بیدار اور خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے دبستان مذاہب کی اشاعت میں تعاون فرمایا۔ ایسے ہی خاکسار ڈاکٹر محمد افضل، مشفق خواجہ اور افضل قریشی کا ممنون ہے کہ اُنہوں نے اس سلسلہ میں ہر ممکن امداد سے نوازا۔

رشید احمد (جالندھری)

حواشی:

(۱) کیخسرو اسفند یار: دبستانِ مذاہب، (طہران، ۱۳۴۲شمسی)، ج I (متن)، ص ۳۶۷ (تحقیق رحیم رضا زادہ ملک)۔

(۲) سرولیم جونز (Sir William Jones) نے جون ۱۷۸۷ء میں اپنے ایک خط بنام شور (Shore) لکھا تھا: ''اس کتاب کا ایک بڑا حصہ حصولِ علم سے سرشار قاری کے لیے بہت ہی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ البتہ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا...''

"The greatest part of it would be very interesting to a curious reader, but some of it cannot be translated. It contains more recondite learning, more entertaining history, more beautiful specimens of poetry, more ingenuity and wit, more indecency and blasphemy." [See The *Dabistan* or School of Manners (English Translation by David Shea And Anthony Troyer, (Washington & London, 1901.), P.2, (Translator's Preface).]

نیز دیکھیے: حاشیہ نمبر ۸، ۹۔

(۳) واقعہ یہ ہے کہ اکبری عہد میں جس مذہبی رواداری اور گاؤکشی کی ممانعت کو اکبر کی سیاسی بصیرت کا کامیاب مظاہرہ قرار دیا جاتا ہے، وہ تاریخِ سیاست کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اکبر سے پہلے ظہیر الدین بابر نے اپنے بیٹے کو ان باتوں کی وصیت کی تھی: ''(۱) تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا... غیر جانبدار ہو کر انصاف کرنا، لوگوں کے مذہبی جذبات اور روایات کا احترام کرنا۔ (۲) گاؤکشی سے خاص طور پر پرہیز کرنا... (۳) کسی قوم کی عبادت گاہوں کو ہرگز مسمار نہ کرنا، اس سے بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سرزمین میں امن و آشتی کو فروغ ملے گا۔ (۴) شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرنا...

دیکھیے، ایم۔ ٹیٹس (M.T.Titus): Islam in India and Pakistan (Karachi, 1996), p.163، مصنف نے لکھا ہے: ''ہمایوں کے نام بابر کی یہ تاریخی وصیت بھوپال کی ریاستی لائبریری (State) میں موجود ہے۔'' نیز دیکھیے: محمد اکرام، رودِ کوثر (لاہور ۲۰۰۱ء)، ص ۲۳)

برطانوی ہندوستان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ''ہندو-مسلم اتحاد کی غرض سے مسلمان گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں۔'' (دیکھیے: حافظ محمد الفاروقی: سوانح حیات شاہ محمد حسین، الٰہ آباد، ص ۵۴) حکیم محمد اجمل دہلوی اور حسرت موہانی کی بھی یہی رائے تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کے تمام مذہبی اور لسانی گروہوں میں مکمل یک جہتی ہی سے معاشرہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور

اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کرسکتا ہے۔ چنانچہ جمہوری اقدار کو اپنائے اور سیاسی نظام میں ہر مذہبی اور لسانی گروہ کو شریک کیے بغیر معاشرے میں امن و امان قائم نہیں ہوسکتا۔ شاہ اسماعیل دہلوی نے 'عبقات' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ''جب ایک معاشرے میں 'ملکوتی روح' بیدار ہوتی ہے تو پھر وہ مذہب والوں کے درمیان ان کی مذہبی کتاب (تورات، انجیل، قرآن) کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔'' (**لقضی بین اھل التوراة بتوراتھم و اھل الانجیل بانجیلھم واھل القرآن بقرآنھم و ذلک ایضا لتیقظ روحه الملکوتی.**) (عبقات، کراچی ۱۳۸۸ھ، ص ۲۰۲، ۲۰۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی میں عدل و انصاف کے قیام کے لیے اقتدارِ اعلیٰ ہر گروہ کی فکری و روحانی حکمت و بصیرت سے استفادہ کرتا ہے۔ اس انسانی مسئلے کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر یہاں شیخ محبّ اللہ الہ آبادی کے ایک مکتوب گرامی کا ذکر بے جا نہ ہوگا جو داراشکوہ کے اس سوال پر کہ ''حکومت کے معاملات میں ہندو مسلم کی تفریق جائز ہے یا نہیں؟'' حضرت شیخ نے جواب میں لکھا: ''فقیر کجا و نصیحت کجا۔ حق آنست کہ اندیشۂ رفاھیت خلق خدا و امن کز خاطرِ حکام باشد، چہ مومن و چہ کافر کہ خلقِ خدا پیدائشِ خدا است۔ سیّد آں مقام کہ صاحب آنمقام بھر کسے از صالح و فاجر و مومن و کافر ترحم کند۔ رسولِ خدا استﷺ۔ چنانچہ بیان یافتہ درفتوحات (ابنِ عربی) وارد است۔ درقرآن: ''وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔'' یعنی کافر ہو یا مومن، سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے کام کرنا حکام کا کام ہے۔ اور رسولِ کریمﷺ بہ قولِ قرآن پوری دُنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

(۴) دبستان، ج ا، ص ۳۵۹، ۳۶۰۔ مصنف نے لاہور میں ملا شاہ بدخشی اور داراشکوہ سے ملاقاتیں کی ہیں۔ سلوک و ریاضت سے متعلق داراشکوہ کی ایک تحریر بھی نقل کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ کو تصوف کے معارف و اسرار پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

(۵) دیکھیے: دبستان، ج ۲، (تعلیقات)، ص ۲۰۔

(۶) The *Dabistan* or School of Manners, by Shea and Troyer, Preface, p.2-3

(۷) ملاحظہ ہو: برٹش میوزیم میں فارسی مخطوطات کی فہرست، ج ا، ص ۱۴۱۔
"...but it cannot be depended on for accuracy." (Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum, by Charles Rieu (London, 1879), Vol. I, P.141.)

(۸) ملاحظہ ہو، دبستانِ مذاہب، ج ا، ص ۳۰۳-۳۰۴ (در فضائل کواکب بہ طریق عقل و کشف و وحی)۔ مصنف لکھتا ہے: ''حکماء کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر صاحب شریعت کسی ایک ستارے کی پرستش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ زحل کی، حضرت عیسیٰؑ آفتاب کی... حضرت محمدﷺ زہرہ کی پرستش کرتے تھے۔''

(۹) دیکھیے، دبستانِ مذاہب، ج ا، ص ۲۹۱ (نظر دوئم در بخشهای اہل ادیان)۔ ہم نے دو ایک مقامات پر ایسی رکیک عبارتوں کو حذف کر کے حاشیہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

(۱۰) یہ ایڈیشن دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں دبستان کا صحیح متن بڑی محنت سے چھاپا گیا ہے اور دوسری جلد میں دبستان کا مصنف، دبستان کا موضوع، مختلف نسخوں کی چھان بین، تعلیقات اور آیاتِ کریمہ کی تخریج، غرضیکہ ان تمام مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۱۱) دبستانِ مذاہب، ج ۲، (تعلیقات)، ص ۲۸۔ یاد رہے کہ دبستانِ مذاہب کے بعض قلمی نسخوں میں کتاب کی نسبت 'محمد امین نامہ نگار' کی طرف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: چارلس رو: برٹش میوزیم میں فارسی مخطوطات کی فہرست، ص ۱۴۲